© rasailojaraid.com

میری تمام سرگزشت............

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

[شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استادِ حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے جسے جامعہ فاروقیہ کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کر رہے ہیں، اب تک دو ڈھائی سو صفحات ہو چکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہو رہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع وتکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کر دیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں عموماً ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردش لیل ونہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھمیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابل رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابل تقلید نہیں.......... لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کر دیا ہے، ابتدائی تعلیم وتربیت اور دار العلوم دیوبند میں داخلے اور اسباق کی تفصیلات پر مشتمل یہ چوتھی قسط نذر قارئین ہے، امید ہے کہ اسے ذوق وشوق سے پڑھا جائے گا۔ سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے اخذ کیا ہے ۔

میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

(مدیر)]

بیماری بھی اور سبق بھی: دوسرے سال تعلیم کے آغاز کے ساتھ ہی میں بیمار ہو گیا اور عجیب اتفاق یہ ہوا کہ میری بیماری کے زمانے میں شرح مائۃ عامل، علم الصیغہ، مفید الطالبین اور تیسیر المنطق، یہ چاروں کتابیں طلباء نے پڑھیں اور ختم کر دیں۔ بیماری سے شفایاب ہو کر جس دن میں مدرسہ حاضر ہوا تو ہدایۃ النحو، فصول اکبری، قدوری، کبریٰ اور نفحۃ الیمن کا سبق شروع ہو رہا تھا، استاد نے مجھے انہیں اسباق میں شریک کر لیا۔ سبق کا قاعدہ وہاں یہ تھا کہ ایک ہی نشست میں تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسباق ہوجاتے تھے اور پھر طالب علم ان کا تکرار کیا کرتے تھے، سات آٹھ طالب علم سبق میں شریک تھے، لیکن روزمرہ ایک ہی طالب علم عبارت پڑھتا اور ترجمہ کرتا تھا اور استاد مطلب بتادیا کرتے تھے، کبھی استاد کسی دوسرے طالب علم کو عبارت پڑھنے کے لئے نہیں کہتے تھے اور از خود کوئی عبارت پڑھتا نہ تھا، وہ طالب حافظ رفیق احمد تھے جو عبارت بھی پڑھتے تھے اور بعد میں تکرار بھی کراتے تھے، تکرار کے وقت بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ وہ اپنا کوئی عذر بیان کرتے اور کہتے کہ آج تکرار نہیں ہوگا تو تکرار رہ جاتا تھا کوئی ساتھی حافظ صاحب کے چلے جانے کے بعد تکرار نہیں کراتا تھا یا تکرار کرانے کی استعداد نہیں رکھتا تھا۔

عبارت خوانی کی ابتداء: یہی سلسلہ چلتا رہا، ایک روز جب ہدایۃ النحو میں ''توابع'' کا بیان چل رہا تھا اور ''بدل'' کی فصل تھی تو میں نے بسم اللہ پڑھ کر عبارت شروع کی، ترجمہ کیا پھر بقیہ اسباق کی عبارت بھی میں نے پڑھی اور ترجمہ کیا۔ یہ عمل محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے ہوا تھا، نہ استاد نے ادھر توجہ دلائی تھی، نہ کسی ساتھی طالب علم کا مشورہ تھا، سنبھلنے کا یہ پہلا دن میری زندگی کا یادگار دن ہے، اللہ بزرگ و برتر کا جتنا بھی شکرادا کروں کم ہی رہے گا، بلاواسطہ رب کریم نے دستگیری کی اور ضائع ہونے سے بچالیا، یہ تو اب یاد نہیں ہے کہ عبارت کیسی پڑھی تھی اور ترجمہ کیسا کیا تھا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ سبق کے بعد ہم نے اعلان کیا کہ ہم اپنا تکرار علیحدہ کریں گے، حافظ رفیق احمد صاحب کے طرز عمل سے طلبہ چونکہ شاکی تھے، اس لئے ایک دو کے علاوہ سب ہمارے تکرار میں شامل ہوگئے اور پھر سبق میں ہماری طرف سے عبارت پڑھنے کا اہتمام باقاعدہ ہونے لگا، سال کے آخر تک، ہدایۃ النحو، قدوری، فصول اکبری، کبریٰ اور نفحۃ الیمن کے اسباق رہے۔ قدوری کتاب الحج تک ہوئی۔ رمضان میں استاد نے ''کنز'' کتاب النکاح اور کتاب الطلاق پڑھائی اور ''مرقاۃ'' روزانہ صبح کو ہم گھر سے پڑھنے کے لئے جلال آباد آتے تھے، اور سبق پڑھ کر واپس لوہاری گھر چلے جایا کرتے۔

طلبہ کا گزر اوقات: جلال آباد میں طالب علم بعض تو مسجدوں کے اندر خدمت کرتے تھے اور وہاں ان کے کھانے کا انتظام ہوتا تھا۔ بعض طلباء کا کھانا گھروں پر مقرر تھا، ہم لوگوں کے لئے سردی کے زمانے میں ملازم گھر سے دوپہر کو کھانا لایا کرتا تھا، جو دونوں وقت کے لئے کافی ہوتا تھا۔ گرمی کے زمانے میں وہیں جلال آباد میں ایک خاتون کے یہاں کھانا پکتا تھا، مگر وہ کھانے کے قابل نہیں ہوتا تھا۔ وہ نیک بخت ماش کی دال چھلکوں کے ساتھ پکاتی تھی اور اس میں دال کے دانے تو تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتے تھے، کالا پانی اور چھلکے البتہ ہوتے تھے، ہم اس کو ایک طرف ڈال دیا کرتے تھے اور اس طرح روٹی کبھی شکر کے ساتھ، کبھی اچار کے ساتھ کھالیتے تھے۔ آخری سال میں ایک باورچی مل گیا تھا اس کو پندرہ روپے ہم تنخواہ دیتے تھے (اور وہ پانچ آدمیوں کا کھانا پکاتا تھا۔ ایک حافظ نذیر احمد خاں اور دو بھائی ہم اور دو بھائی محمد اسماعیل خان اور محمد اسحاق خاں تھے)، وہ بہت اچھے اور عمدہ کھانے پکاتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھر آمد و رفت کا مستقل معمول: جب مفتاح العلوم جلال آباد میں دوسرا سال شروع ہوا تو میرے چھوٹے بھائی مولوی عبدالقیوم خان مرحوم بھی مفتاح العلوم میں داخل ہوئے، ہمارا معمول تھا کہ جب لوہاری سے مدرسے آنا ہوتا تھا تو ہر حال میں چاہے بارش ہورہی ہو یا راستے میں پانی جمع ہو (بارشوں کے زمانے میں جلال آباد کے قریب ایک ندی گزرتی تھی، اس کے پل سے لے کر جلال آباد تک پانی جمع رہتا تھا جو سینے تک پہنچ جاتا تھا، ہم اگر جمعہ کے لئے کبھی تھانہ بھون نہیں جاتے تھے تو لوہاری ہی سے مدرسے آیا کرتے تھے) تو ہمیشہ وقت پر پہنچتے تھے، جب تھانہ بھون جمعہ پڑھتے تھے تو وہیں سے عصر کے بعد چل کر مغرب تک مدرسہ آجاتے، لوہاری سے آنے میں عبدالقیوم خان صاحب ہمارے ساتھ آتے تھے۔ لیکن اگر ہمارا ساتھ نہ ہوتو پھر وہ بہت تاخیر سے پہنچتے تھے اور ان کے صبح کے اسباق ناغہ ہوتے تھے، جب ہم دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہ جلال آباد رہ گئے، تب بھی ان کا معمول تاخیر سے آنے کا تھا۔

مفتاح العلوم جلال آباد میں تیسرے سال ثالثہ اور رابعہ کی کتابیں پڑھیں، شرح وقایہ اولین، کافیہ، شرح جامی اور اصول شاشی، یہ کتابیں مکمل پڑھیں۔ ''نور الانوار'' کتاب اللہ تک ''قطبی'' تصدیقات اور تاریخ الخلفاء بھی پڑھی۔

استاد محترم کی علالت اور دارالعلوم کے لئے فیصلہ: حضرت الاستاد کا ارادہ تھا کہ آئندہ سال سے ''ہدایہ اولین'' اور مختصر وغیرہ یہیں مفتاح العلوم میں وہ پڑھائیں گے، شرح جامی کی جماعت میں چودہ، پندرہ طالب علم تھے، ان میں سے اکثر سہارنپور اور دیوبند جاکر داخل ہوگئے، چار پانچ طلباء رہ گئے تھے، ان کا ارادہ مفتاح العلوم ہی میں پڑھنے کا تھا، مگر رمضان کے متصل بعد حضرت استاد بیمار ہوگئے اور انہوں نے فرمایا کہ معلوم نہیں اس بیماری کی وجہ سے کب تک اسباق شروع نہیں ہوسکیں گے، اور فیصلہ کردیا کہ آپ لوگ دارالعلوم دیوبند جاکر داخلہ لے لیں، مولانا سید عابد حسین صاحب جو ''چھوٹے مولوی صاحب'' کے لقب سے معروف تھے، ان کو داخلے کی کاروائی کے لئے ساتھ روانہ کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چل رہی تھی، بینک جلائے جارہے تھے، ریل کی پٹڑیاں اکھاڑی جارہی تھی اور دارالعلوم میں سیاست کا دور تھا۔ اس لئے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بعض متعلقین مظاہر علوم سہارنپور کو ترجیح دیا کرتے تھے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے جو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیتے تھے، ان کی تعداد نسبتاً کم ہوتی تھی۔ ہم لوگوں کو جب دارالعلوم دیوبند داخل کرایا گیا تو بعض لوگوں نے بڑا شور مچایا کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے اپنے شاگردوں کو دیوبند داخل کرایا ہے، مولانا تک جب یہ بات پہنچی تو فرمایا کہ جب تک حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی دارالعلوم دیوبند میں موجود ہیں، میں اپنے شاگرد کو دارالعلوم دیوبند کے علاوہ کسی دوسری جگہ کا مشورہ نہیں دوں گا اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ دومیل کے فاصلے پر حضرت تھانوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رحمۃ اللہ علیہ بقیدِ حیات تھے اور مولانا اپنے شیخ سے فناء فی الشیخ ہونے کا تعلق رکھتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کو جیسے حضرت الاستاذ اہمیت دیتے تھے، اسی طرح حضرت حکیم الامت کے نزدیک بھی یہ بات اہم تھی اور جو لوگ دارالعلوم دیوبند کے داخلے کو ترجیح نہیں دیتے تھے، یہ ان کا اپنا مؤقف تھا، یہ بات اس طرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ مولانا مفتی محمد حسن امرتسری کے صاحبزادے مولانا عبیداللہ صاحب اور مولانا خیر محمد جالندھری کے صاحبزادے مولانا محمد شریف صاحب کو دورۂ حدیث کے لئے داخل کرنے کے سلسلے میں ان دونوں بزرگوں نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے مشورہ کیا اور وہی سن ۴۲ کا سول نافرمانی کی تحریک کا زمانہ تھا، یہ دونوں بزرگ، حضرت حکیم الامت کے ممتاز خلفاء میں سے تھے، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو یہی مشورہ دیا کہ ان کو دورہ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند داخل کیا جائے، یہ دارالعلوم میں داخلے کی بات تھی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور تفصیلی روئیداد: ہم دارالعلوم دیوبند پہنچے تو مولانا سید عابد حسین صاحب مرحوم کی کوششوں سے تین طلبہ کا امتحان مولانا جلیل صاحب مرحوم کے یہاں ہوا، ان سے سفارش کی گئی تھی، یہ تینوں طالب علم نسبتاً کمزور تھے جب کہ ہم دونوں مضبوط استعداد رکھتے تھے۔ چنانچہ ان تین طلبہ کا امتحان سفارش کے صدقے بآسانی ہوگیا، اور مطلوبہ کتابیں "ہدایہ اولین"، "مختصر المعانی"، "حسامی"، "مقامات حریری"، "سلم" بھی دے دی گئی، لیکن میرے اور مولوی رفیق صاحب مرحوم کے ممتحن دوسرے حضرات تھے، مولوی رفیق احمد صاحب مرحوم کا امتحان مولانا مفتی ریاض الدین صاحب مرحوم نے لیا تھا اور احقر کا امتحان مولانا ظہور احمد صاحب مرحوم نے لیا تھا، ان سے سفارش نہیں کی گئی تھی، چنانچہ انہوں نے ہمارے لئے مطلوبہ کتابیں تو تجویز کردیں لیکن "سلم" تجویز نہیں کی، بلکہ اس کی جگہ "میر قطبی" تجویز کردی۔ اور وجہ یہ بتائی گئی کہ "قطبی" کے بعد "سلم" تجویز نہیں کی جاسکتی، چونکہ دارالعلوم کے نصاب کے مطابق قطبی کے بعد میر قطبی پڑھنا ضروری ہے...... اس فیصلے پر مولوی رفیق صاحب تو صبر کا گھونٹ پی گئے، لیکن مجھ سے رہا نہ جاسکا، میرے برادر نسبتی ارشاد علی خاں مرحوم اسی سال دارالعلوم سے فارغ ہوئے تھے، ممتحن صاحب سے ان کے اچھے تعلقات بھی تھے میں ان کو ساتھ لے کر ممتحن صاحب سے عرضِ مدعا کی غرض سے ان کے دولت کدے پر حاضر ہوا، اور ان سے درخواست کی کہ میرے لئے "سلم" تجویز کردیں، وہ فرمانے لگے، بے شک آپ میں "سلم" پڑھنے کی استعداد موجود ہے لیکن میں مدرسہ کے اصول وقاعدے سے مجبور ہوں، میں نے عرض کیا: حضرت! ہمارے تین ساتھیوں کو "قطبی" کے بعد بجائے "میر قطبی"، کے "سلم" تجویز کی گئی ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گنجائش ہے، انہوں نے فرمایا کہ آپ ایسا کریں مقررہ کتابوں میں "قطبی" سے پہلے "میر" کا لفظ بڑھا دیں تو میں مطلوبہ کتابوں میں "میر قطبی" کو کاٹ کر "سلم" لکھ دوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا۔لیکن میں نے عرض کیا کہ جب میر قطبی میں نے پڑھی نہیں تو مقروءۃ (پڑھی ہوئی) کتابوں میں اس کو نہیں لکھ سکتا، یہ غلط بیانی ہوگی اور عجیب بات یہ کہ کتابوں کی تجویز میں دارالعلوم کے اصول وقواعد کا حوالہ دیا جا رہا تھا، لیکن امتحان دارالعلوم کے نصاب کے بجائے خارج سے لیا گیا، "جامی" کی مبنیات داخلِ نصاب ہی نہیں تھیں لیکن میرا امتحان "اذ اذا" کی بحث سے لیا گیا جو جامی کے نصف صفحہ سے زائد پر آئی تھی۔

سلم کا یاد کرنا اور اس کے امتحان کا دلچسپ واقعہ: بہرحال سال بھر ہم "میر قطبی" پڑھتے رہے لیکن سال کے آخر میں رجب کے مہینے میں تعلیمات کی طرف سے اعلان ہوا کہ اگر کسی طالب نے کوئی کتاب خارج میں پڑھی ہو اور وہ اس کو امتحان میں داخل کرانا چاہتا ہو تو وہ پندرہ رجب تک درخواست دے دے تو میں نے مولوی رفیق صاحب مرحوم کو تیار کیا اور دونوں نے "سلم" کی درخواستیں جمع کرا دیں، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب، (نائب ناظم تعلیمات تھے، ناظم تعلیمات تو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز تھے، لیکن ان کا کام عام طور سے نائب ہی کیا کرتے تھے، حضرت کے اسفار اور مشاغل کی بناء پر ان کو اتنا موقع نہیں ملتا تھا) مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت سخت گیر اور بڑے قاعدے اور قانون کے پابند تھے، جب ہماری درخواست گئی تو انہوں نے فرمایا کہ "سلم" تو ایسی کتاب نہیں ہے جو خارج میں پڑھی جائے، آپ لوگوں نے کیسے اس کی درخواست دے دی؟ شروع سال میں ہمارے تقویٰ کا حال یہ تھا کہ ہم نے ممتحن کے کہنے پر "قطبی" کے ساتھ "میر" کا لفظ بڑھانا گوارہ نہیں کیا تھا کہ یہ خلاف واقعہ ہے، لیکن اب یہ حال تھا کہ ہم نے "سلم" دیکھی تک نہیں تھی اور جناب درخواست جمع کرادی، اور انہوں نے کہا کہ آپ نے خارج میں کیسے پڑھی ہے؟ ہم نے کہا کہ پڑھی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ کس سے پڑھی ہے؟ ہم نے کہا مولانا عبدالسمیع صاحب سے، مولانا عبدالسمیع صاحب کے ہاں پہلے گھنٹے میں "سلم" ہوتی تھی، ہماری پہلے گھنٹے میں "میر قطبی" تھی، ہم ان کے گھنٹے میں جا ہی نہیں سکتے تھے۔ دوسرے گھنٹے میں ان کے یہاں "مختصر المعانی" کا سبق تھا۔ وہ ہم نے ان سے پڑھی تھی، اور "مختصر المعانی" میں ہمارے نمبر سارے طالب علموں سے زیادہ آئے تھے، تو اس واسطے مولانا کو ہم پر حسن ظن تھا کہ جب یہ کہہ رہے ہیں تو پہلے گھنٹے میں آتے ہوں گے ان کو کیا خبر بہت بڑی جماعت تھی، چونکہ میر قطبی دوسرے گھنٹے میں بھی کسی دوسری جگہ ہوتی تھی تو انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ "میر قطبی" دوسرے گھنٹے میں پڑھی ہوگی اور پہلے گھنٹے میں "سلم" کے لئے آتے ہوں گے تو انہوں نے لکھ دیا کہ انہوں نے "سلم" پڑھی ہے۔

مولانا کے پاس وہ درخواست دوبارہ گئی تو انہوں نے مولانا عبدالسمیع صاحب رحمہ اللہ کو پھر لکھا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ "سلم" میں پاس ہو جائیں گے؟ مولانا عبدالسمیع صاحب نے لکھا کہ بالکل پاس ہو جائیں گے، مجھے کوئی شک نہیں اسی طرح کافی تگ ودو کے بعد رجب کی بیس تاریخ کو ہماری یہ درخواست منظور ہوگئی اور شعبان کی پہلی تاریخ کو "سلم" کا امتحان تھا، ہم نے "سلم" کی کاپی حاصل کی اور اسے یاد کرلیا، ہمارے لئے یاد کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مولوی رفیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے وہ تو خیر تھے بھی بہت قابل، انہوں نے بھی یاد کرلی، اسی اثناء میں ہم نے رات کو ''سلم'' کے مشکل مقامات کا تکرار بھی شروع کرادیا۔ اس زمانے میں کاغذ کی بہت قلت تھی، مدرسے کے سہ ماہی اور ششماہی امتحان تقریری ہوئے تھے اور سالانہ امتحان بعض کتابوں کا تحریری تھا اور بعض کا تقریری ''سلم'' کا امتحان تحریری تھا۔ ہم نے کبھی تحریری امتحان نہیں دیا تھا اس لئے خوف بہت تھا، رات کو ہم تکرار کرایا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ امتحان میں کیا ہوگا، ہم نے تو کبھی تحریری امتحان دیا نہیں ہے، لڑکے کہا کرتے تھے (ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ ہم نے ''سلم'' پڑھی ہے یا نہیں) کہ تمہیں اتنی یاد ہے کہ اگر ہمیں اس قدر یاد ہوتی تو کبھی بھی رات کو تکرار نہ کرتے اور آرام سے سوتے تو ہم یہی کہتے تھے کہ ہم نے تحریری امتحان دیا نہیں اس لئے ڈر لگتا ہے۔ امتحان بہت آسان تھا، بہت اچھا پرچہ ہم نے لکھا، میرے اور مولوی رفیق صاحب کے ۵۱، ۵۱ نمبر آئے (کل نمبر اس وقت ۵۰ تھے)۔ دوسرے سال جب ہم دونوں ''ملاحسن'' کے سبق میں شریک ہوئے تو بعض طلبہ تعجب سے کہتے تھے کہ آپ تو گذشتہ سال ''میر قطبی'' پڑھتے تھے، ''ملاحسن'' میں آپ کیسے آگئے، ان بیچاروں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم نے ''سلم'' کا امتحان دے دیا ہے۔

بری صحبت کا نتیجہ: بڑے مدارس میں کم عمر طلبہ کی نگرانی اور تربیت کا خاص اہتمام نہ ہو تو اس کے مضر اثرات ہوتے ہیں میرے ساتھ یہی ہوا، ۱۵ سال عمر تھی، ناسمجھی کا زمانہ تھا، نگران کوئی تھا نہیں تو آزادی مزاج میں آگئی، جلال آباد کی یہ برکت ضرور شامل حال رہی کہ آوارگی سے حفاظت رہی، آزادی کا تعلق بھی صرف اور صرف تعلیمی امور سے رہا، جتنا استفادہ ہوسکتا تھا اس میں کافی کمی واقع ہوئی تو اس طرح دارالعلوم دیوبند آنے سے ایک نقصان یہ ہوا کہ ہماری دوستی ایسے طلبہ سے ہوگئی تھی جو دارالعلوم کے قدیم طالب علم تھے اور قابل ولائق بھی تھے، لیکن سبق میں حاضر نہ ہوتے تھے، اگر آئے تو کوئی رسالہ یا خارجی کتاب اپنے ہمراہ لاتے اور دوران سبق اسی کا مطالعہ کرتے رہتے، ان کی دیکھا دیکھی ہم نے بھی غیر حاضری شروع کردی، جی میں آیا تو چلے گئے، وگرنہ چھٹی کرلی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے بہت سے اسباق میں کافی ناغے ہوگئے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے متبنیٰ مولانا یحییٰ صاحب مرحوم جو تھانہ بھون کے رہنے والے تھے، ہمیں ''ہدایہ اولین'' پڑھاتے تھے۔ ایسا خوبصورت سبق پڑھاتے، محسوس ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں، ان کے سبق میں غیر حاضری نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ بھی جلال آباد کے اسی مدرسہ (مفتاح العلوم) سے پڑھ کر گئے تھے جس میں ہم پڑھتے تھے۔ اس وقت یہ مدرسہ ''منی والی مسجد'' میں ہوا کرتا تھا۔ وہاں انہوں نے مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی صاحب مرحوم (جو بڑے قابل اور فاضل عالم تھے) سے پڑھا پھر دیوبند آگئے تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ ہم جلال آباد سے آئے ہیں، تو ہم پر کچھ زیادہ شفقت فرماتے اور کبھی قریب بیٹھے ہوتے تو حاضری کا رجسٹر ہمیں تھما دیتے کہ حاضری لو، ہم ان کے سبق میں غیر حاضر تو نہیں ہوتے تھے البتہ کبھی کبھی کوئی دوسری کتاب ساتھ ہوتی تھی، اس کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

☆......☆ (جاری ہے..........

© rasailojaraid.com